انسانِ کامل کے معرفتی مبانی اور وجودی تجلیات
سورۂ رحمٰن کے تناظر میں ایک تحقیقی مطالعہ

The Epistemological Foundations and Existential Manifestations of the Perfect Human:
A Research Study in the Context of Surah Rahman

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Syed Gohar Mehdi Shah Naqvi
Ph.D. Islamic Mysticism, Ahlul Bayt International University Tehran Islamic Republic of Iran
E-mail:iaagoharmehdinq@gamil.com

Abstract:
Islamic Sufism is counted among the sciences that discuss the reality of human existence. Unlike the sciences that rely solely on sensory observation, rational reasoning, or religious texts, the approach of Islamic Sufism in anthropology combines inner experience and religious texts. This study, following the methodology of Islamic Sufism, analyzes the concept of the 'Perfect Human' as a divine manifestation of the supreme name of Allah, 'Ar-Rahman,' in religious texts. In fact, the main goal of this research is to clarify the epistemological foundations of the Perfect Human in the light of the verses of Surah Ar-Rahman, using a descriptive-analytical approach and qualitative style, so that it presents a comprehensive model and ideal not only for an individual's life but also for social life, guiding both individuals and society on the path of ultimate perfection.
This paper presents findings by drawing on some important interpretations of the Holy Quran and certain mystical theological sources. The author has explained Surah Ar-Rahman in the light of eight assumptions as a complete clarification of the epistemological foundations of the concept of the

Perfect Human. The study shows that the name 'Ar-Rahman,' which points to the general and all-encompassing mercy of God, actually manifests in the being of the Perfect Human. This manifestation appears in forms like teaching the Quran, dominating the system of the universe, establishing the balance of justice, and the appearance of material and spiritual blessings.
According to the writer, the Perfect Man is the link between the mercy of the Most Merciful and creation, and the true teacher of divine knowledge of both the first and the last. Knowing and following him is equivalent to benefiting from God's blessings, which increase with gratitude and lead to severe consequences if ungrateful. In this study, after affirming that the beauty of God manifests in the form of the Perfect Man, the worldly, physical manifestations and the spiritual blessings of this manifestation are described as examples. After that, the form of the Perfect Man is shown to appear in the balance of the sun and moon, pearls and corals, east and west, as well as in the harmony of the heavens, trees, and stars.

Keywords: Divine Name, Perfect Human, Epistemology, Mysticism and Sufism, Surah Al-Rahman, Manifestation.

خلاصہ

اسلامی تصوّف کا شمار اُن علوم میں ہوتا ہے جو انسانی وجود کی حقیقت کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔ اُن علوم کے برعکس، جن کا منہج محض حسی مشاہدہ، عقلی استدلال یا دینی نص ہے؛ انسان شناسی میں اسلامی تصوّف کا منہج باطنی تجربے اور دینی نصوص، دونوں سے استفادے کا منہج ہے۔ زیرِ مطالعہ تحقیق، اسلامی تصوّف کے منہج پر چلتے ہوئے دینی نصوص، بالخصوص "الرحمٰن" کے اسمِ عظمیٰ کے الٰہی مظہر کے طور پر "انسانِ کامل" کے تصور کا تجزیہ پیش کرتی ہے۔ درحقیقت، اس تحقیق کا بنیادی ہدف، سورۂ مبارکہ الرحمٰن کی آیات کی روشنی میں، توصیفی۔ تحلیلی طریقہ کار اور کیفی اسلوب اپناتے ہوئے انسانِ کامل کی معرفتی بنیادوں کی وضاحت پیش کرنا ہے تاکہ نہ فقط انسان کی انفرادی زندگی، بلکہ اس کی معاشرتی زندگی میں عروج و کمال کا جامع نمونہ اور آئیڈیل پیش کیا جاسکے جس کی

پیروی میں افراد و سماج، سب تکامل کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔
زیر نظر مقالہ میں قرآن کریم کی چند اہم تفاسیر اور بعض عرفانی کلامی منابع سے استفادہ کرتے ہوئے نتائج پیش کرتی ہے۔ مقالہ نگار نے اس مقالے میں آٹھ مفروضات کی روشنی میں سورہ الرحمٰن کو انسان کامل کے تصوّر کے معرفتی مبانی کی مکمل وضاحت کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ اسم "الرحمٰن" جو ذاتِ باری تعالیٰ کی عام اور شامل رحمت کی طرف اشارہ ہے، دراصل، انسانِ کامل کی ذات میں تجلی پاتا ہے۔ یہ تجلی تعلیمِ قرآن، نظامِ کائنات کو مسخر کرنے، میزانِ عدل کے قیام اور مادی و روحانی نعمتوں کے ظہور جیسی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔
مقالہ نگار کے مطابق، انسانِ کامل رحمتِ رحمانیہ اور تخلیق کے درمیان رابطے کی کڑی اور علومِ اولیٰ و اُخریٰ کا حقیقی معلم ہے جس کی معرفت اور پیروی، اللہ تعالی کی نعمت سے استفادہ کرنے کے مترادف ہے، جو شکر گزاری سے بڑھتی اور کفرانِ نعمت پر سخت انجام کی حامل ہے۔ اس تحقیق میں جمال حق تعالی کو انسان کامل کی شکل میں جلوہ فگن ہونے کے اثبات کے بعد، اس تجلی کے دنیوی طبیعی مظاہر اور اُخروی نعمتوں کو بطور مصادیق بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نسان کامل کی صورت کو آفتاب و ماہتاب، گوہر و مرجان، مشرق و مغرب اور آسمانوں، درخت اور ستاروں کے اعتدال کی شکل میں جلوہ فگن ثابت کیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات: اسم الٰہی، انسانِ کامل، معرفت شناسی، عرفان و تصوّف، سورہ الرحمٰن، تجلی۔

1۔ مقدمہ

انسانیات (علم الانسان) معرفت کی ایک شاخ کے طور پر وجودِ انسانی کی ماہیت، علل و اغراض اور کمال تک پہنچنے کے طریقوں کا مطالعہ کرتی ہے۔[1] اس سلسلے میں مختلف فکری مکاتب، جن میں تصوف، فلسفہ، کلام اور تجربی علوم شامل ہیں، نے اپنے مخصوص مناہج (جیسے مشاہدہ، عقلی استدلال، نصِ دینی یا تجربہ) کے ذریعے اس تصور کی توضیح کی کوشش کی ہے۔ اسلامی تصوف کے فکری نظام میں، انسانِ کامل اسماء و صفاتِ الٰہی کا مظہر اور غایتِ تخلیق تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں "انسانِ کامل" کا تصور اسلامی تصوف میں ایک بنیادی اور نہایت وسیع المعنی تصور ہے جو انسان کی خلیفۃ اللہ اور حتمی کمال کا مطالعہ کرتا ہے۔ صوفیاء و عرفاء کے مطابق، انسانِ کامل کا یہ تصوّر، وحی کی تعلیمات میں جڑیں رکھتا ہے۔ بہت سی آیات بالواسطہ یا بلاواسطہ اس مرتبے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قرآنی آیات میں سے آیتِ خلافت (2:30)، آیت اسماء (2:31-33)، آیت تسجیل ملائکہ (2:34)، آیتِ نفخ روح (15:29) اور متعدد روایات کو اس نظریہ کے اثبات کے دلائل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

یہ تصور، دراصل، محض ایک اخلاقی آرزو نہیں، بلکہ ایک وجودی حقیقت کا اظہار ہے جس کے مطابق انسانِ کامل کائنات کا سرتاج اور حضرت حق کے تمام اسماء و صفات کا مظہر شمار ہوتا ہے۔ یہ تحریر ایک تجزیاتی طریقہ کار کے

تحت، پہلے اس نظریے کی تعریف، خصوصیات اور پس منظر کو تلاش کرے گی اور پھر قرآن مجید (بالخصوص سورۂ رحمٰن) اور معصومین علیہم السلام کی روایات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے انسانِ کامل کے معرفتی مبانی کی تشریح کرنے کے لیے کی گئی ہے تاکہ اس تصور کی گہرائی سے سمجھ فراہم کی جاسکے۔ نیز یہ انسان کامل کی عملی مثالوں اور افعال کی توضیح پیش کرے گی۔اس تحقیق کے نتائج اس تصور کے مرکزی مقام کی نشاندہی کرتے ہیں جو عرفانِ نظری اور عملی سیر و سلوک دونوں میں حاصل ہے۔

2۔ تحقیق کی ضرورت واہمیت

انسانِ کامل کے تصور کی توضیح، جو اسلام کے معرفتی نظام میں ایک محوری حیثیت رکھتا ہے، نہ صرف علومِ دینیہ بلکہ اخلاق، قانون، سیاست اور حکمرانی کے شعبوں میں بھی بنیادی اطلاق رکھتی ہے۔[2] یہ تحقیق قرآن مجید کو معرفت کے بنیادی ماخذ اور معصومین علیہم السلام کی روایات کو وحی کے مفسر کے طور پر اختیار کرتے ہوئے ایک جامع نمونہ پیش کرنے کی کوشش کرتی ہے جو انفرادی سطح (سلوک و راہِ سلوک) اور معاشرتی سطح (عدل، شفافیت اور اخلاق پر مبنی مثالی حکمرانی) دونوں پر راہنما ہو۔ ویسے عقل بھی یہی حکم دیتی ہے کہ جو علم و معرفت اور ایمان و عمل میں سب سے آگے ہے اس کی اطاعت واتباع کی جائے۔ اور اسے اپنا حاکم و رہبر و مرشد وہادی تسلیم کیا جائے۔

3۔ طریقہ تحقیق

یہ تحقیق نظری نوعیت کی حامل ہے اور توصیفی۔ تحلیلی طریقہ کار کے تحت کی گئی ہے جس میں کیفی اسلوب اپنایا گیا ہے۔ کتابی مصادر (تفسیر المیزان، تفسیر البرہان، اور دیگر عرفانی و کلامی مآخذ) سے ڈیٹا اکٹھا کرنے کے بعد، سورۂ رحمٰن کی آیات نمبر ۵ تا ١٦ کے کلیدی مفاہیم کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کا مقامِ انسانِ کامل سے تعلق اور اس کے کردار کو بحیثیت "میزانِ حق" ظاہر کرتی ہے۔ اگلے مرحلے میں، تجزیاتی نتائج اور تحقیق کے نظریاتی فریم ورک کے مابین تعلق قائم کیا گیا ہے اور بالآخر، حاصل کردہ نتائج پر بحث اور استنتاج پیش کیا گیا ہے۔

4۔ اہدافِ تحقیق

١. سورۂ رحمٰن کو مرکز بنا کر انسانِ کامل کے معرفتی مبانی کی تشریح کرنا۔

٢. اسم "الرحمٰن" کے تجلیات کا انسانِ کامل کی ذات میں اور سورۃ کی آیات میں ان کے نمودار ہونے کی صورتوں کا تجزیہ کرنا۔

٣. انسانِ کامل کے کردار کو رحمتِ عامۂ الٰہی کو تخلیق کے نظام سے منسلک کرنے میں ایک منظّم تصور پیش کرنا۔

5۔اصلی وفرعی سوالات

تحقیق کا بنیادی سوال یہ ہے کہ سورۂ رحمٰن میں جمالِ حق تعالیٰ انسانِ کامل کی شکل میں کیسے متجلی ہوا ہے؟ فرعی سوالات کا تعلق اس تجلی کی طبیعی مظاہر میں عملی مثالوں، میزان اور باقی وجہ اللہ جیسے کلیدی مفاہیم، نیز جنّت کی نعمتوں کی صورت میں نیکوکاروں کے اجر سے ہے۔ نیز یہ دیکھا گیا ہے کہ آفتاب و ماہ تاب و گوہر و مرجان و مشرق و مغرب و اعتدال آسمان و درخت و ستارے کس طرح انسان کامل کی صورت کو جلوہ گر کرتے ہیں؟ اللہ تعالی نے انسان کامل کے لیے کس طرح اس دنیا وآخرت میں طرح طرح کی نعمتیں اور اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے؟

6۔ مفروضاتِ تحقیق

اس تحقیق میں درج ذیل مطالب کو مفروضات تحقیق کے عنوان سے پیش کیا جا سکتا ہے جن کا اثبات یا نفی، دراصل، اس تحقیق کا عمدہ مقصد ہے:

1. سورۂ رحمٰن انسانِ کامل کو جمالِ حق تعالیٰ اور اس کی رحمتِ رحمانیہ کے عالی ترین مظہر کے طور پر متعارف کراتی ہے۔
2. انسان کامل عالمِ تکوین میں ربوبیت کا مظہر، مراتبِ معرفت کا طی کرنے والا، نجات دہندہ اور ذریعہ نجات، سوالات کا جواب دینے والا، راہنما، مددگار، سلطان۔
3. رحمتِ خاص الٰہی کی تجلی، آسمان کا شق ہونا اور سرخ رنگ کا ظہور (عشق و شفقت کی علامت)، اس کے ظہور سے ثابت ہوتا ہے۔
4. انسان کامل مقصد تخلیق کائنات اور ابدی نعمتوں کا حاصل کرنے والا۔
5. انسان کامل اور اس کے پیروکاروں کے لیے حتمی جزا متعدد باغ، جاری چشمے، اور حوریں ہیں جو نفسانی ملکات اور پاکیزہ سرشت روحانی ہمسروں کی علامت ہیں۔
6. سورۂ رحمٰن، رحمتِ واسعۂ الٰہی کی توصیف میں ایک سرود ہے۔
7. اس سورۃ میں سورج، چاند، ستارے، میزان، رب المشرقین و المغربین جیسے مفاہیم، انسانِ کامل کے اسم "الرحمٰن" کے مظہر ہونے کی حیثیت سے مختلف تجلیات کی علامات ہیں۔
8. اس سورۃ میں بیان شدہ جنتی نعمتیں نہ صرف ایک اخروی جزا ہیں بلکہ ان روحانی کمالات اور وجود کی عملی علامات ہیں جو انسانِ کامل (بطور مظہرِ اسماءِ ذوالجلال والاکرام) کے گرد دنیا اور آخرت میں وجود پذیر ہوتی ہیں۔

7۔انسانِ کامل کا تعارف اور خصوصیات

اسلامی عرفان و تصوّف میں انسانِ کامل کا تصور، ایک ایسے ممتاز اور برتر انسان کا تصوّر ہے جس کا وجود اخلاقِ الٰہی سے متخلق، ذاتِ الٰہی سے متصل اور حق و خلق کے درمیان فیض کا واسطہ ہے۔ عرفاء کئی آیات و روایات کی روشنی میں سب سے پہلے انبیائے اولوالعزم اور خاتم الانبیاءﷺ کو اور پھر ائمہ معصومین علیہم السلام انسانِ کامل کی تجلی اور بطورِ مظہرِ اسمِ اعظم اور پیغمبرؐ کے بحق خلفاء دیکھتے ہیں۔[3] عرفانی متون میں انسانِ کامل کو مختلف تعبیرات جیسے "کونِ جامع"، "قطبِ عالم"، "خلیفۃ اللہ"، "انسانِ حقیقی" اور "مظہرِ اسمِ اعظم" سے متعارف کرایا گیا ہے۔[4]

اس کی ذات ایک آئینہ ہے جو جمالِ الٰہی کو بے حجاب ظاہر کرتی ہے۔[5]

انسانِ کامل، بطور خلیفۃ اللہ، اسم "الرحمٰن" کا مکمل مظہر اور رحمتِ عامۂ الٰہی کا جلوہ ہے۔ اس کی معرفت، جو قرآن و عترت کے ذریعے ممکن ہوتی ہے، خود ایک عظیم نعمت ہے جس کا بڑھنا یا زوال انسان کے شکر یا انکار پر موقوف ہے۔ یہ تصور نہ صرف انفرادی سلوک تک محدود نہیں بلکہ ایک عادلانہ حکمرانی اور نابِ اسلام کے معیار پر ایک اعلیٰ معاشرے کے قیام کے لیے ایک نمونہ فراہم کرتا ہے۔ انسان کامل کی نمایاں خصوصیات میں درج ذیل نکات شامل ہیں:

1. اَخلاقِ الٰہی سے آراستہ ہونا: انسان کامل کے ذریعے صفاتِ الٰہی کا ظاہر ہونا ہے۔
2. مقامِ خلافتِ تام کا حامل ہونا: وہ زمین پر حق کا بے تسلیم شدہ نمائندہ اور مکمل خلیفہ ہے۔
3. مقصد تخلیق ہونا: اس کا وجود نظامِ کائنات کی پیدائش اور بقا کا سبب ہے۔
4. ذریعہ فیض خدا ہونا: وہ منبعِ فیض خدا ہے جو مخلوق کو خالق کے ساتھ ملاتا ہے۔
5. حاملِ علمِ لدُنّی ہونا: اس کا علم شریعت اور حقیقت میں یقینی اور الٰہی ہوتا ہے۔
6. ظاہری و باطنی رہبری: وہ خلائق کی ظاہری و باطنی سلوک میں راہنمائی کرتا ہے۔[6]

انسانِ کامل کی شناخت کے حوالے سے امام خمینیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ انسان کامل کی معرفت سکون و آرام کا باعث ہوتی ہے۔ شناخت و معرفت سے بڑھ کر یہ ہے کہ انسان یقین کی منزل پر فائز ہو اگرچہ عین الیقین و حق الیقین کی منزل پر نہ پہنچ سکے، عرفان اسلامی سالک کو حق تعالی کا مشاہدہ کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ آپ "مصباح الہدایہ" میں انسانِ کامل کو اولین تجلیِ ذاتِ احدیت اور خلیفہِ تام حق تعالی قرار دیتے ہیں جو فیض خدا کا جاری کرنے والا اور نجات کا واسطہ ہے۔ وہ اسمائے خدا جلال و جمال کے جامع مظہر ہیں اور ان کی ولایت کی حقیقت وہ حقیقت ہے جو عالم پر حکمران ہے۔[7]

استاد شہید مرتضی مطہری مدعی ہیں کہ انسانِ کامل کی تعبیر جو اسلام میں کی جاتی ہے، ایک ایسا موجود ہے جس کی بہت ساری صورتیں ہوتی ہیں جو بیک وقت جسمانی صحت اور روحانی بلندی، فرد اور معاشرے کے توازن، اور فکر و نیت کی اصلاح کرتا ہے۔ وہ انسانی وجود کی تمام سطحوں کی تربیت کے ذریعے روحانی زندگی عطا کرتا ہے۔[8] شہید مطہریؒ کے نظریۂ انسانِ کامل کے فلسفیانہ پسِ منظر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: "قرآنِ کریم میں لفظِ "اِنْسان" پینسٹھ (۶۵) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ جب ہم نے قرآنِ کریم کی ان تفاسیر کا غور سے جائزہ لیا تو یہ نتیجۂ تحقیق سامنے آیا کہ خداوندِ تعالیٰ کا ہدف انسان کا یہ مادی جسم نہیں ہے، بلکہ وہ انسان کی باطنی صفات کو سنوارنا اور درست کرنا چاہتا ہے، تاکہ انسان کو اُسی اَصلی فطرت پر استوار کیا جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے اُسے پیدا فرمایا ہے۔ ان باطنی صفات کا تعلق اور وابستگی درحقیقت عقل، معرفت، فکر اور ہدایت سے قائم و دائم ہے۔"[9]

اسی طرح آیت اللہ حسن زادہ آملی انسانِ کامل کو عالمِ وجود کا قطب و مرکز، اسمِ اعظم الٰہی اور کلماتِ خدا کا خزانہ قرار دیتے ہیں جو زمین پر ارادۂ الٰہی کو ظاہر کرنے والا ہے اور مادی و معنوی زندگی کا نظام اس کے وجود سے منسلک ہے۔[10]

8۔ انسانی کمال کی طرف سیر و سلوک کی شرائط و مقامات

انسانِ کامل کے مقام تک پہنچنے کے لیے سیر و سلوک کے مراحل طے کرنا اور روحانی مقامات سے گزرنا ضروری ہے۔ عرفاء اس راستے کو اسفارِ اربعہ یعنی چار سفر (سفر من الخلق الی الحق یعنی سالک کا مخلوق سے گزر کر حق تعالی کی طرف سفر، فی الحق یعنی سالک کا حق تعالی کے وجود میں سفر کرنا، من الحق الی الخلق یعنی سالک کا حق تعالی کی طرف سے نمائندہ خدا بن کر مخلوق کی طرف سفر کرنا، و فی الخلق مع الحق یعنی سالک کا مخلوق خدا میں اس طرح سفر کرنا کہ حق تعالی کا وجود سالک کے ساتھ ہمیشہ رہے) یا منازل السائرین کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔ خواجہ عبداللہ انصاری نے اپنی کتاب "منازل السائرین" میں ان مقامات کی تفصیل بیان کی ہے، جس کا آغاز یقظہ (بیداری) سے ہوتا ہے اور توحید و فنا پر ختم ہوتا ہے۔

8.1۔ ولایتِ علی و اولاد علی علیہم السلام

جہاں تک سیر و سلوک کی شرائط و مقامات کا تعلق ہے تو اسلامی عرفان و تصوف میں امام علی اور آئمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی ولایت پر ایمان، سیر و سلوک کی بنیادی شرط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام علی علیہ السلام پر ایمان کے بغیر، خداوندِ متعال کی حقیقی معنوں میں عبادت ممکن نہیں، کیونکہ اس کے مخصوص لوازمات و شرائط ہیں، اور جب تک امامِ معصوم علیہم وآلہم پر ایمانِ کامل حاصل نہ ہو، دین و شریعت کے اعلیٰ اہداف و مراتب تک رسائی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ دین و شریعت کے حقیقی ادراک (حسِ واقعی) کا معیار اعمالِ صالح اور پرہیزگاری (تقویٰ) ہے، تاہم یہ مقام، خانوادۂ عصمت و طہارت علیہم وآلہم کی معرفت کے بغیر میسر نہیں آتا۔

جس طرح میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ عملی کمال و عروج آئمہ معصومین اہلبیت صلوات اللہ علیہم وآلہم کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح علمی کمال و عروج بھی آئمہ معصومین اہلبیت صلوات اللہ علیہم وآلہم کے بغیر نا ممکن ہے۔ اسی لیے امام علی صلوات اللہ علیہم وآلہم نے فرمایا: تمام جہانوں کا علم قرآن کریم میں محفوظ ہے اور تمام قرآن کا علم سورہ حمد میں اور سورہ حمد کا علم بسم اللہ میں اور بسم اللہ کا تمام علم اس نقطہ میں محفوظ ہے جو بسم اللہ کی ب کے نیچے ہے۔ پھر امام علی صلوات اللہ علیہم وآلہم نے فرمایا کہ میں وہ نقطہ ہوں جو بسم اللہ کی ب کے نیچے ہے۔[11] اس سے یہ نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ امام علی صلوات اللہ علیہم وآلہم کے بغیر نہ علم مکمل ہو سکتا ہے اور نہ ایمان اور نہ ہی عمل۔

8.2۔ ورع

اس راستے میں اہم مراحل میں سے ایک "وَرَع" ہے، جو معمولی تقویٰ سے بلند و اعلی ہو کر شبہات اور نفسانی خواہشات سے اجتناب کا نام ہے۔[12] چنانچہ امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: "لَا دِينَ لِمَنْ لَا وَرَعَ لَهُ "[13] یعنی جس شخص میں تقویٰ (پرہیزگاری) موجود نہیں، حقیقت میں اس کے دین ہونے اور اس کی دینی حقیقت کے قائم رہنے کی کوئی دلیل یا بنیاد موجود نہیں ہے۔ متصوفین و عارفین کے نزدیک، مقامِ وَرَع (پرہیز از مشتبہات و مکروہات) مقامِ تقویٰ (پرہیزگاری از محرمات) سے بلند تر ہے۔ تقویٰ کا مفہوم پرہیزگاری ہے، یعنی بندۂ مومن محرماتِ الٰہی کا لحاظ رکھتا ہے اور حرامِ الٰہی کو اپنے فکر و عمل میں ناپسندیدہ و ممنوع سمجھتا ہے، اسی وجہ سے وہ متقی و پرہیزگار کہلاتا ہے۔ البتہ مقامِ ورع، مقامِ تقویٰ سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ جب عارفین مکروہات اور ناپسندیدہ اُمور (یعنی خطا و اشتباہات) کو بھی یکسر ترک کر دیتے ہیں، تو اُس وقت وہ مقامِ ورع میں تمکّن حاصل کر لیتے ہیں۔

9۔ سالکین کے مقامات و منازل

سالکانِ طریقت کے لیے ان عرفانی مقامات کے مخصوص نام متعین کیے گئے ہیں۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "منازل السائرین" میں نہ صرف 100 مقاماتِ عرفانی ذکر کیے ہیں، بلکہ ہر مقام کی تفصیلی تشریح و توضیح بھی فرمائی ہے اور ہر مقام کے حوالے سے علیحدہ عرفانی بحث بھی پیش کی ہے۔ ان مقامات کی ترتیب بہ ترتیب درج ذیل ہے:

> "مقامِ بیداری (ضمیر و غیرت کا بیدار ہونا)، پھر توبہ (پلٹ کر دوبارہ گناہ نہ کرنا)، پھر محاسبہ (اپنے آپ کا حساب کتاب خود کرنا)، پھر انابت (حق تعالی کی طرف رجوع کرنا)، پھر تفکّر (فکر و سوچ بچار کرنا)، پھر تذکّر (حق تعالی کو ہر وقت یاد رکھنا)، پھر اعتصام (دین کی بنیادوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا)، پھر ریاضت (محنت و کوشش کرنا)، پھر فرار (اونچے مقامات عرفانی و حق تعالی تک پہنچنے کے

لیے دنیوی پستیوں سے فرار کرنا)، پھر سماع (خدا و خدا کے نمائندوں کو پوری توجہ کے ساتھ سننا)، پھر حزن (گزشتہ اعمال پر غمگین ہونا اور منع کیے گئے اعمال پر افسوس کرنا)، پھر خوف (کسی بھی کام کے انجام دینے سے اس کے برے نتیجے کا خوف)، پھر اشفاق (دشمنوں اور اپنے اعمال سے ہمیشہ ڈرتے رہنا)، پھر خشوع (عاجزی سے رہنا)، پھر اخبات (دائمی امن پر ثابت قدم رہنا اور گناہ، ظلم و دہشت گردی کی طرف دوبارہ پلٹ کر نہ جانا)، پھر زہد (کسی چیز کی طرف مائل ہونا اور رغبت کرنا ختم ہو جائے)، پھر ورع (گناہ و ظلم کرنے سے شدید قسم کا انتہائی ڈر)، تبتّل (گوشہ نشینی اور ہر چیز سے الگ تھلگ ہو جانا)، بابِ رجاء (اللہ تعالی سے ملاقات اور حساب کتاب کی امید رکھنا اور رسول خدا ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرنا)، بابِ رغبت (خدا کو رغبت و ڈر و خوف سے پکارنا)، پھر رعایت (اعمال و احوال و اوقات کی شرائط کا لحاظ رکھنا)، پھر مراقبہ (حق تعالی کی نظر سالک کی طرف رہنا)، پھر حرمت (برے انجام کی بجائے خلوص نیت کے ساتھ اچھے کام کرنا اور برے کاموں سے بچنا)، پھر اخلاص (بغیر کسی اجر و ثواب و جنت کی خواہش کے خالص عمل کرنا)، پھر تہذیب (خدمت و نوکری کی تہذیب یہ ہے کہ اس میں جہالت کا گزر نہ ہو، حال ایسا ہو کہ عارف کو حال کے ساتھ غیر کا علم و خبر نہ ہو)، پھر استقامت (روح کی ایسی استقامت کہ احوال عارف کو زندہ کرے)، پھر توکل ایسا جس میں طلب کی لالچ نہ ہو)، ثقہ (دوسروں سے ناامید ہونا، اللہ تعالی سے قوی امید رکھنا، اپنی محنت، اہداف و اعمال میں خالص ہونا)، پھر تفویض (توکل کا وسیع درجہ جب انسان اپنے امور حق تعالی کے دست اختیار میں دے دیتا ہے)، پھر تسلیم (خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اور ان کے نمائندوں کی بات کو بغیر کسی چون چرا کے قبول کرنا)، پھر صبر، پھر رضایت (ہر حال میں حق تعالی سے راضی رہنا)، پھر شکر، پھر حیاء (گناہ و ظلم کرنے سے حیاء کرنا کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے)، پھر صدق (سچوں و سچائی کے ساتھ ہو جانا)، پھر ایثار (قربانی)، پھر خلق (اخلاق حسنہ اچھے اخلاق)، پھر تواضع (عاجزی)، پھر فتوّت (جوان مردی، لڑائی جھگڑے ترک کرنا، جو آپ سے دور ہو اس کے نزدیک ہونا، بغیر دلیل کے کوئی قدم نہ اٹھانا)، پھر انبساط (مخلوق و حق تعالی کے ساتھ خوشی کی حالت میں رہنا)، پھر قصد (حق تعالی کے ساتھ ملاقات کرنے کا پختہ عزم و ارادہ)، پھر عزم (پکا ارادہ)، پھر ادب (حدود خدا کا لحاظ رکھنا)، پھر ارادہ، پھر یقین، پھر اُنس (قرب خدا سے خوش ہونا)، پھر تذکّر (خدا کو یاد رکھنا)، پھر فقر (دنیوی عہدوں سے دور رہنا)، پھر غنی (یعنی امیری، دلی کی امیری و نفس کی امیری و حق تعالی کے ساتھ امیری)، پھر مراد (مرید سے بھی بڑا درجہ مراد کا ہے جب انسان اس چیز کی امید رکھے جس کی امید نہ ہو)، پھر احسان (عرفان عملی کی نظر میں ارادے واحوال عرفانی کے ساتھ ہر وقت خالص رہنا)، پھر

علم (علم لدنی جو اللہ تعالی کی طرف سے عطاء ہو)، پھر حکمت (حکمت لدنی جو اللہ تعالی کی طرف سے عطاء ہو)، پھر بصیرت جو آپ کو حیرت سے نجات دلائے)، پھر فراست (غیبی حکمت)، پھر تعظیم (نیک کاموں کو انجام دینا اور برے کاموں سے بچنا)، پھر الہام فراست سے اونچا مقام جس میں عارفان فرشتوں کا دیدار کرتے ہیں، پھر سکینت (عاجزی)، پھر طمانینۃ (مقام نفس مطمئنہ)، پھر ہمّت (حق تعالی کی راہ میں تھکاوٹ کا احساس نہ ہونا)، پھر محبّت (جب خدا بندے سے محبت کرے اور بندہ خدا سے محبت کرے)، پھر غیرت (جب غیر کے لیے احتمال کا عنصر ختم ہو جانا)، پھر شوق (غائب کی طرف دل کا راغب ہونا)، پھر قلق (شوق کا اس قدر غالب ہونا کہ صبر ختم ہو جائے)، پھر عطش (یعنی تشنگی محبوب کو دیکھنے کی تڑپ ہونا)، پھر وجد، پھر دہش (سامنے والے کے بڑا ہونے کا خوف)، پھر ہیمان (تعجب و حیرت سے بے ہوش ہو جانا)، پھر برق (امید و ڈر و لطف کی روشنی کا ظاہر ہونا)، پھر ذوق (ذوق وجد کی نسبت زیادہ دیر باقی رہنا والا اور برق و بجلی سے زیادہ تیز رفتار حرکت کرنے والا ہوتا ہے)، پھر لحظ یا لحظہ (یہ مقام عرفانی کشف و شہود کا مشاہدہ کرنے اور عین الجمع سے عبارت ہے)، مقام وقت، پھر صفاء (جب عشق خدا داغ و دھبوں سے صاف ہو کر خالص ہو جائے)، پھر سرور (جو خوشی سے زیادہ پاک حالت ہو)، پھر سرّ (چھپے ہوئے رازوں سے آگاہ ہو جانا)، پھر مقام نفس (خود کی طرف مائل ہونا)، پھر غربت (جب وطن و حال و ہمت ساتھ چھوڑ جائے)، پھر غرق (جب سالک حال یا کشف و شہود یا مقام جمع میں غرق ہو جائے)، پھر غیبت (ارادہ کے خالص ہونے کا علم نہ ہو یا جب علم کے رسم و رواج سے سالک خود کو غائب و جاہل تصور کرے یا جب عارف احوال کی حالت سے بے خبر ہو)، پھر تمکن (جب سالک کا کسی مقام پر مستقل طور پر امن و سلامتی کے ساتھ ٹھر جانا)، پھر مکاشفہ (پردوں کے پیچھے چھپے حقائق سے باخبر ہو جانا)، پھر مشاہدہ (پردوں کا ہٹ جانا اور حقیقت کا دیکھنا)، پھر معاینہ (دل کا معائنہ کرنا اور نعمت کو دیکھنا یا روح کا معائنہ کرنا اور حقیقیت دیکھنا)، پھر حیات (یعنی زندگی، علم کی زندگی جہالت کی موت ہے یا سالک کا خالق کے ساتھ جمع ہو جانا اس سے جدا ہونے کی موت ہے یا وجود کی زندگی حق کے ساتھ زندگی کی دلیل ہے)، پھر مقام قبض (کوئی عہدہ یا مقام واپس لے لینا)، پھر بسط (کسی عہدے یا مقام کا واپس مل جانا)، پھر سکر (محبوب کی محبت میں کسی چیز کا لحاظ نہ رکھنا)، پھر صحو (سکر سے اونچی منزل نور عزت پروردگار کا مشاہدہ کرنا)، پھر اتّصال (خدا کی بنیادوں وارکان یا خدا کے شہود یا خدا کے وجود سے متصل ہو جانا)، پھر انفصال (اتصال کی شرطوں میں سے ہے کہ جن سے متصل ہے اس کے غیر کو چھوڑ دے)، پھر معرفت (کسی چیز کا اس طرح احاطہ کرنا جیسے وہ وجود رکھتی ہے، پھر فناء (حق کے علاوہ ہر چیز کو فراموش کر دینا)، پھر بقاء (غیر حق کو

فراموش کر دینے کے بعد حق کے ساتھ باقی رہنے کو مقام بقاء سے تعبیر کیا گیا ہے)، پھر تحقیق (اطمینان دل)، پھر تلبیس (حق و حقیقت کو لباس یا پردے سے چھپا دینا)، پھر وجود (وجود علم لدنی یا وجود حق تعالی)، پھر تجرید (مجرد و الگ ہونا، مقام کشف پر پہنچنے کے بعد مقام یقین سے الگ ہو جانا یا عین الجمع خدا و حق و حقیقت کے ساتھ مل جانے کے بعد علم ظاہری سے الگ ہو جانا)، پھر تفرید (ہر چیز کو چھوڑ کر محبت خدا یا دیدار خدا کا طلب گار ہو جانا)، پھر جمع (جب حق تعالی کے ساتھ مکمل اتصال ہو جائے اور تفرقہ ساقط ہو جائے) اور بالآخر مقامِ توحید (جب سالک حق تعالی کے ساتھ اس طرح متصل ہو جائے کہ پھر کوئی حادثہ اسے حق تعالی سے الگ نہ کر سکے، اس کے تین درجے ہیں شواہد یا حقائق یا خود خدا تعالی کے ساتھ مل جانا)۔" [14]

10۔ سورہ الرحمٰن میں انسانِ کامل کا بیان

اسلامی عرفان کے فکری نظام میں، انسانِ کامل بطورِ جامع ترین مظہرِ اسماء و صفاتِ الٰہی، ایک محوری مقام رکھتا ہے۔ اس ظہور کی اعلیٰ ترین مراتب میں سے ایک اسمِ اعظم "الرحمٰن" کا اس کی ذات میں تجلی ہے، اور اس مرتبے کے تحقق کے ساتھ، انسانِ کامل کے لیے ایک قسم کا تکوینی تسلط اور مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے، جس طرح کہ نظامِ کائنات اس الٰہی تجلی کے سامنے ایک تکوینی خضوع کا اظہار کرتا ہے۔ قرآن کریم نے سورۂ الرحمٰن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ سورہ انسان کامل کو جمال حق تعالی اور اس کی وسیع رحمت کا مظہر ثابت کرتی ہے۔

عرفانی تفسیر کے مطابق، اسمِ "الرحمٰن" جو اللہ کی عام اور وسیع رحمت کی طرف اشارہ کرتا ہے، انسانِ کامل کی ذات میں مکمل طور پر متجلی ہوتا ہے۔ سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیات ۵ تا ۱۶ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسانِ کامل قرآن (سب سے بڑی نعمتِ الٰہی) کا پہلا مخاطب اور سیکھنے والا ہے، اور پھر بشریت کے استاد کی حیثیت سے اسے حقائقِ کائنات اور نجات کی راہ سکھاتا ہے۔ [15]

لہٰذا، انسانِ کامل پوری کائنات کے لیے اللہ کی تعلیمی اور تربیتی رحمت کا راستہ ہے۔ ان آیات کی عرفانی اور تفسیری نقطہ ہائے نظر کے مطابق، جب اسمِ "الرحمٰن" کی حقیقت مکمل طور پر انسانِ کامل (جو حقائقِ الٰہی کا جامع مظہر ہے) میں متجلی ہو جاتی ہے، تو اس تجلی کا تقاضا یہ ہے کہ نظامِ کائنات اس کے سامنے خضوع اور سجدہ کرے۔ اسی طرح اسلامی عرفانی فکر میں، انسانِ کامل "عالمِ اصغر" اور کائنات "عالمِ اکبر" ہے۔ یہ نقطہ نظر انسانِ کامل کو کائنات کا جزو نہیں، بلکہ حقیقتِ ہستی کا جامع اور اس کی حرکت و تدبیر کا محور مانتا ہے۔ انسانِ کامل، در حقیقت، عالمِ اصغر اور نظامِ کائنات کا مرکز قرار پاتا ہے۔ اس زاویے سے، تمام نظامِ تخلیق اس کے تکوینی و ہدایتی ارادے کے تحت ترتیب پاتا ہے۔ سورۂ رحمٰن کی آیات ۱۷ تا ۲۳، عظیم الٰہی نشانیوں کے بیان کے ذریعے، اسی گہرے تعلق کی ایک تہہ کی

طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ذیل میں انسانِ کامل کی ان تجلیات کی مزید توضیحات بیان کی گئی ہیں۔

10.1۔ انسانِ کامل کا فقرِ ذاتی

سورہ الرحمٰن کی آیات ۵ اور ۶ میں ارشاد باری تعالیٰ: الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ o وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ " (5-6:55) یعنی: "سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں، اور تارے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں۔" تفسیری نقطہ نظر سے، یہ آیات کائنات پر حاکم نظام کے بیان کے علاوہ، موجودات کی ایک ذاتی اور تکوینی خضوع و تسلیم کی طرف بھی دلالت کرتی ہیں جو پروردگار کے حکم کے سامنے ہے۔ علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے تفسیر المیزان میں ان آیات کے تحت ایک دقیق لغوی و نحوی تجزیہ کیا ہے۔ آپ "حُسبان" کو مصدر اور "حساب کرنے" کے معنی میں لیتے ہیں اور ترکیب "بِحُسْبَانٍ" کو "الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ" کی خبر قرار دیتے ہیں، جو ان دو اجرامِ سماوی کی منظّم اور محاسباتی حرکت پر دلالت کرتی ہے۔ "النَّجْمُ" کے بارے میں قرائن کی بنا پر آپ "بے تنے کے اگنے والے" (یعنی پودے) کے معنی کو ترجیح دیتے ہیں اور "الشَجَر" کو تنے والے اگنے والے (یعنی درخت) سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس نباتات کا "سجود" ان کے نشو و نما پر حاکم قوانینِ الٰہی کے سامنے ان کی تکوینی خضوع و انقیاد کا کنایہ ہے، جس طرح زمین میں جڑ پکڑنا اور غذائی اجزاء کا جذب کرنا اس اطاعت اور خالق کی طرف سے نیازمندی کا مظہر ہے۔ یہ سجود ایک حقیقی سجود ہے اور مخلوقات کی ذاتِ الٰہی کے مقابلے میں فقرِ ذاتی کے نتیجے میں ہوتا ہے۔[16]

10.2۔ انسانِ کامل بطور "میزان"

سورہ الرحمٰن کی آیات ۷ تا ۹ میں ارشاد باری تعالیٰ: وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ o أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ o وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ o (7-9:55) ترجمہ: "اور آسمان کو بلند کیا اور میزان (ترازو) قائم کی۔ تاکہ تم میزان میں بے اعتدالی نہ کرو۔ اور وزن کو عدل کے ساتھ قائم رکھو۔ اور میزان میں کمی نہ کرو۔" یہ آیات "میزان" کے مسئلے کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور یہاں لفظ "میزان" محض مادی تول تک محدود نہیں، بلکہ حق و باطل، عدل و ظلم اور صالح و ناصالح اعمال کی تشخیص کے لیے ایک کلی معیار پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ طباطبائی کی نظر میں "میزان" ایک وسیع تفسیر رکھتا ہے۔ آپ قرآنی آیت: "لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ "(57:25) ترجمہ: "اور بے شک ہم نے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "میزان" کے معنی ہر اس چیز کو قرار دیتے ہیں جس کے ذریعے حق و باطل میں تمیز کی جائے۔ آپ اس معنی کو مادی ترازو کے معنی سے وسیع تر اور عمومی قرار دیتے ہیں۔ اس بنا پر، انبیاء اور معصومین (علیہم السلام) جو کتابِ الٰہی کے حامل اور مفسر ہیں، خود بشریت کے عالم میں اس

"میزان" کا مجسم نمونہ اور عینی تحقق کا ذریعہ ہیں۔ [17]

اس نقطہ نظر سے، انسانِ کامل جو انبیاء کے علم و مقام کا وارث ہے، خود الٰہی قسط و عدل کا "میزان و ترازو" بن جاتا ہے اور انسانوں کی ہدایت اور افراط و تفریط سے ہٹ کر عدل و انصاف کی راہ کی تشخیص کے لیے ایک معیار بنتا ہے۔

تفسیر روائی "البرہان فی تفسیر القرآن" میں امام معصوم (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ آیت "اللَّهُ الَّذِي أَنزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ" (42:25) ترجمہ: "اللہ تعالی ہی وہ ذات ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے۔" میں "میزان" سے مراد امیر المؤمنین علی (علیہ السلام) ہیں۔ [18] یہ اور اس جیسی روایات اس تصور پر دلالت کرتی ہیں کہ پیغمبر (ص) کے بعد الٰہی ہدایت کا تسلسل ثقلین یعنی قرآن و عترت (علیہم السلام) کے ذریعے تحقق پاتا ہے اور اہل بیت (ع) اعمال کا میزان اور حق کی تشخیص کا معیار ہیں۔

10.3۔ انسان کامل، فروتنی کا مجسم

اگلی آیات میں ارشاد فرماتا ہے: وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِOفِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِOوَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُOفَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِOخَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِOوَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍOفَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِO(55:10-16) ترجمہ: "اور زمین کو مخلوقات کے لیے بنایا۔ اس میں میوے اور غلافوں والے کھجور کے درخت ہیں۔ اور بھوسی والے دانے اور خوشبودار پودے ہیں۔... انسان کو کھنکھناتی ہوئی سوکھی مٹی سے جو ٹھیکری کی طرح ہو، بنایا اور جن کو آگ کی لپک سے پیدا کیا۔"

یہ آیات ایک طرف اللہ کی خلاق قوت اور وسیع رحمت پر زور دیتی ہیں تو دوسری طرف انسان کی اصالت پر کہ وہ ادنی مادے (صلصال) سے پیدا کیا گیا، لیکن اس میں خدا کی طرف بلند ہونے کی صلاحیت ہے۔ انسانِ کامل تکبر سے گزر کر اور زمین سے نمونہ لے کر جو فروتنی سے سب کو قبول کرتی ہے۔ اس مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ رحمت کا مظہر اور مخلوق کو نفع دینے والا بن جائے۔ ان تکوینی و تشریعی نعمتوں کا شکر ادا کرنا وہ جو اس کے پاس ہیں جس کی انسان سے توقع کی جاتی ہے۔

علامہ طباطبائی نے قرآنی الفاظ "فاکہہ"، "اکمام"، "حب ذوالعصف"، "ریحان"، "صلصال" اور "مارج من نار" کی تفصیلی لغوی تحلیل پیش کی ہے اور تخلیق کی باریک بینی اور اس کی مقصدیت پر زور دیا ہے۔ آپ کی "صلصال" (کھنکھناتی خشک مٹی) اور اسے "فخار" (ٹھیکری) سے تشبیہ دینے کی وضاحت، انسان کی تخلیق کے مکمل ہونے والے مراحل کی طرف اشارہ کرتی ہے نیز اس کے مادی، شکست پذیر ہونے اور فناپذیر ہونے والی فطرت کی طرف اشارہ کرتی ہیں، جو روحانی تکامل کی بنیاد بھی ہے۔ [19]

مذکورہ بالا آیات کی عرفانی تجزیے کی روشنی میں، سورۂ رحمٰن منتخب آیات میں تین بنیادی نکات کو باہم مربوط

کرتی ہیں:

تکوینی نظام اور خضوع: نظامِ کائنات، سورج اور چاند سے لے کر پودوں تک، الٰہی محاسباتی نظام میں حرکت کرتا ہے اور فطری طور پر پروردگار کے حکم کے سامنے عاجز ہے (تکوینی سجود)۔

میزان کا قیام: خداوند نے عدل کے قیام اور حق کی تشخیص کے لیے "میزان" قائم کیا ہے جو اپنے وسیع ترین معنی میں کتاب، انبیاء اور معصوم اولیاء (علیہم السلام) کو بطورِ انسانِ کامل شامل کرتا ہے۔

زمینی نعمتیں اور شکر گزاری: انسان کی ادنیٰ مادے سے تخلیق، زمینی نعمتوں کی فراوانی کے ساتھ، ایک طرف اللہ کی رحمت کی علامت ہے تو دوسری طرف اس کی آزمایش اور تکامل کا ذریعہ بھی۔

اسمِ "الرحمٰن" کے مکمل مظہر کے طور پر "انسانِ کامل" کی حقیقت اور ان تین بنیادی نکات کا نقطۂ اتصال ہے۔ وہ جس نے اپنا عرفانی سفر خاک (صلصال) سے شروع کرتا ہے اور ملکوت کی طرف پرواز کی، خود ایک زندہ "میزان" بن جاتا ہے جس کی حق کی طرف معرفت کامل تر ہے اور عدل قائم کرنے اور دوسروں کی ہدایت کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ نباتات اور اجرام کا سجود، حقیقت میں، اس میں جلوہ حق و حقیقتِ الٰہی کے سامنے سجود ہے۔ لہٰذا، یہ آیات تخلیق کی عظمت اور الٰہی نعمتوں کے بیان کے ساتھ، انسانِ کامل اور نظامِ کائنات کے درمیان گہرے تعلق اور خلیفہ خدا و میزانِ حق کے طور پر اس کی اہم ذمہ داری کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں۔

10.4۔انسان کامل، طلوعِ نور

اگلی آیات میں ارشاد فرماتا ہے: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِO فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِO ترجمہ: "وہ رب دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ہے۔ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟" (55:18-17)۔ ان آیات میں جن میں دو مشرقوں اور دو مغربوں، دو باہم ملے ہوئے دریاؤں اور عظیم کشتیوں کو الٰہی نشانیوں کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ تطبیقی تفسیری طریقہ کار اور نقلی و عقلی تفاسیر سے استفادہ کرتے ہوئے، یہاں عرفاء استدلال کرتے ہیں کہ یہ آیات اپنے ظاہری و طبیعی معانی کے علاوہ، عرفانی حقائق اور مقامِ "انسانِ کامل" (بطورِ خلیفۃ اللہ و مظہرِ تامِ اسمائے الٰہی) سے متعلق دلالتیں رکھتی ہیں۔ اس بنا پر، مشرق و مغرب، طبیعی تفسیر (موسمی طلوع و غروب کے مقامات) کے علاوہ، مشرقِ ظاہری (سورج حسی) اور مشرقِ باطنی (سورج معرفت) کی علامت ہیں۔ دو باہم ملے ہوئے دریا جن کے درمیان نفوذ ناپذیر حائل ہے، اہل بیت (ع) کے لامحدود علم اور نظامِ کائنات کی حکیمانہ ترتیب کا استعارہ ہیں۔

علامہ طباطبائی المیزان میں مشرقین و مغربین کی ظاہری اور طبیعی تفسیر موسمِ گرما اور موسمِ سرما کے مشرق و مغرب سے کرتے ہیں جس سے موسموں کا وجود اور رزق میں نظم پیدا ہوتا ہے۔[20] یہ آیات، علامتوں کا ایک باہم مربوط جال پیش کرتی ہیں جو ظاہری تفسیر میں تخلیق کی عظمت اور نظام کو دکھاتی ہیں اور باطنی تفسیر میں "انسانِ کامل"

کی حقیقت اور کائنات میں اس کے مقام کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ دو مشرق و دو مغرب، ظاہر و باطن، شریعت و حقیقت کی دو صورتوں کی نمائندگی کرتے ہیں جن دونوں کا سورج انسانِ کامل ہے۔ دو باہم ملے ہوئے دریا، اس کا لدُنّی اور لامحدود علم ہے جس سے ہدایت کے گوہر (معصوم اولیاء) وجود میں آتے ہیں۔ عظیم کشتیاں، حق تعالی کی طرف سے نجات کا ذریعہ عطاء ہونے کی علامت ہیں اور فنا کے بعد "وجہ اللہ" یعنی چہرہ خدا، ولایتِ الٰہی اور ہدایت کی حقیقت کا انسانِ کامل کی شکل میں باقی رہنا ہے۔ یہ تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی عرفان کے نقطہ نظر سے، آفاق میں الٰہی نشانیوں کی پہچان، "انسانِ کامل" کے بغیر نامکمل رہے گی جو حق تعالی کا مکمل آئینہ ہے۔

باطنی و عرفانی تفسیر: طبیعی تفسیر سے آگے بڑھتے ہوئے، یہ تعبیر دو قسم کے "طلوع" اور "غروب" پر دلالت کر سکتی ہے: طلوعِ نورِ ظاہری (سورج) اور طلوعِ نورِ باطنی (معرفتِ الٰہی) جس کا سرچشمہ بھی اللہ ہے۔ مشرقِ معرفت وہ مقام ہے جہاں سے ہدایت اور حقیقت کا نور و سورج طلوع ہوتا ہے اور انسانِ کامل زمین پر اس نور کا سورج ہے۔ سورج کا بلندی سے غروب کی طرف سفر، موجودات کا عالمِ بالا سے نشیب کی طرف نزولی سفر، یا راہِ مستقیم سے منحرف ہونے کی صورت میں روحانی زوال کے خطرے کی تمثیل ہے۔

10.5۔ انسانِ کامل: حضرت علی و فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام

"مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِOبَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِOفَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِOيَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُOفَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (55:19-23) ترجمہ: "دو دریاؤں کو اس طرح روانہ کیا کہ وہ آپس میں ملتے ہیں۔ ان کے درمیان ایک حائل ہے کہ وہ ایک دوسرے پر غالب نہیں آتے۔ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں۔ تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔"

علمی و طبیعی تفسیر: علامہ طباطبائی دو دریاوں کی تفسیر کھارے پانی (بحر) اور میٹھے پانی (زمینی پانی اور دریا) سے کرتے ہیں جو باہمی اتصال و تعامل (بخارات بننے اور بارش کے چکر) کے باوجود، قدرتی حائل (طبیعی قوانین اور زمین کی ساخت) کی بدولت ایک دوسرے میں گھل مل نہیں جاتے اور نظامِ حیات کو قائم رکھتے ہیں۔ یہ خود حکمتِ الٰہی اور تدبیر کی ایک عظیم نشانی ہے۔ [21]

ماثور و معرفتی تفسیر: تفسیر البرہان میں امام صادق (ع) سے مروی روایت کے مطابق، ان دو دریاؤں کا باطنی مصداق امام علی (ع) اور فاطمہ زہرا (س) ہیں جو علمِ الٰہی کے دو گہرے اور نہ ختم ہونے والے دریا ہیں جن میں سے کوئی دوسرے پر تجاوز نہیں کرتا۔ ان دونوں سے نکلنے والے موتی اور مونگا امام حسن اور امام حسین (علیہم السلام) ہیں۔[22] یہ تفسیر اہل بیت (ع) کی حقیقت کو علومِ ناب اور معارفِ الٰہی کے سرچشمے کے طور پر ظاہر کرتی ہے کہ ان کے مکمل علم (علمِ علوی و فاطمی) کے ہم نشیں ہونے سے انسانِ کامل اور ممتاز ہدایت گر وجود میں آتے

ہیں۔ یہ نظامِ کائنات کی "عرفانی-انسانی" تفسیر ہے۔

10.6۔انسانِ کامل، نجات کی کشتی

ارشاد باری تعالی ہے :وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِOفَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (55:25-24)۔ ترجمہ : "اور اسی کے لیے دریا میں بادبان اٹھائے کشتیاں ہیں جو پہاڑوں کی طرح ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ؟" ان آیات میں "کشتیاں" نجات کا استعارہ اور "وجہِ باقی پروردگار" اس عالم میں انسانِ کامل کی حقیقت کے بقا اور اس کے ہدایتی کردار کی طرف اشارہ ہے۔ان آیات کے ذیل میں بیان شدہ اہل بیت (ع) کی روایات، علامہ طباطبائی، امام خمینی اور شہید مطہری جیسے معاصر مفکرین کے نقطہ ہائے نظر کو یکجا کرنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسانِ کامل، انسان کے معرفتی، ہدایتی اور تخلیقی نظام میں مرکزی کردار کی حیثیت رکھتا ہے۔[23]

عرفانی نظر میں، یہ عظیم کشتیاں، فطرت پر تسخیر اور ظلمات کے بحر کو عبور کرنے کے لیے الٰہی نعمت کی علامت ہیں۔ یہ الٰہی کشتیاں "ہدایت کا ذریعہ" خصوصاً انسانِ کامل اور اہل بیت (ع) کی علامت ہو سکتی ہیں۔ جس طرح کشتی سمندر کی موجوں سے نجات دیتی ہے، اسی طرح انسانِ کامل انسانوں کو جہالت اور گمراہی کے بحرانوں سے نجات دیتا ہے۔ مشہور حدیث "سفینہ نوح" میں پیغمبر (ص) نے فرمایا: **"مَثَل اہل بیتم کمثل سفینہ نوح، من رکبہا نجا و من تخلف عنہا غرق"** [24] یعنی: "میرے اہلبیت علیہم السلام کی مثال، نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے کہ جو اس کشتی میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔

10.7۔انسانِ کامل کی بقاء

مزید ارشاد فرمایا :كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍOوَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ Oفَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (55:28-26)۔ ترجمہ: "جو کوئی بھی زمین پر ہے فانی ہے۔ اور صرف تیرے رب کا وجہ جو صاحبِ جلال و اکرام ہے، باقی رہتا ہے۔ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟" یہ آیات صراحت کے ساتھ عالم کی تمام موجودات کی فنا کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ "وجہ ربّك" (پروردگار کی ذات با جلال و اکرام) ہے جو باقی رہتی ہے۔ چونکہ خداوند جسم نہیں، اس لیے "وجہ" سے مراد اس کی متجلی ذات ہے۔ یہاں علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: خدا کا "وجہ" وہی اس کی صفاتِ کمالیہ اور مظاہر ہیں جو فیض خدا کا ذریعہ اور مخلوق سے رابطہ برقرار کرتے ہیں۔ [25] روایات کی روشنی میں، کامل ترین مظہر اور "وجہ اللہ" انبیاء، اولیاء اور اہل بیت (ع) ہیں۔ امام سجاد (ع) نے فرمایا: **"نَحْنُ وَجْهُ اللهِ"** [26] ہم ہی اللہ تعالی کے روشن چہرے ہیں۔ اور ہمارے وسیلے سے ہی اللہ تعالی کی پہچان ممکن ہوتی ہے۔ امام رضا (ع) نے بھی تاکید فرمائی کہ وجہ اللہ سے مراد پیغمبر اور حجج الٰہی ہیں۔ [27] لہٰذا، سب کے

فنا ہونے کے بعد "وجہ اللہ" یعنی چہرہ خدا کی بقا، عالم میں انسانِ کامل کی حقیقت اور ولایتِ الٰہی کے مقام کے بقا کی طرف اشارہ کر سکتا ہے۔ یہی لوگ جمال (اکرام) اور جلالِ الٰہی کے مظہر ہیں۔

10.8۔انسان کامل: محتاجوں کی پناہ گاہ

اگلی آیات میں ارشاد ہوا: يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ Oفَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِO سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِOفَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِOيَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍOفَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِO (55:29-34)

ترجمہ: " جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے، وہی اس سے سوال کرتا ہے، وہ ہر روز ایک شان (اور کام) میں ہے۔ توتم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟ اے دونوں گروہو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوں گے۔ توتم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟ اےٗ گروہ جن وانسان اگر تم میں قدرت ہو تو اطراف زمین وآسمان سے باہر نکل جاؤ؛ مگر یاد رکھو تم سلطان کے بغیر آسمان وزمین کے اطراف سے باہر نہیں نکل سکتے۔ توتم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟"

یہ آیات فیضِ الٰہی کی عمومیت اور تسلسل، اور تمام موجودات کی ضروریات کو پورا کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ دراصل، عرفانی نکتہ نظر کے مطابق، اگرچہ فیض کا منبع اور جواب دہی منحصراًذاتِ اقدسِ الٰہی ہے، لیکن یہ فیض عالم میں اکثر کسی کے ذریعے جاری ہوتا ہے جن میں سے کامل ترین "انسانِ کامل" ہے۔انسانِ کامل بطورِ مکمل خلیفہ خدا اور اسم "رب العالمین" و "مجیب الدعوات" کے مظہر، اس صفتِ الٰہی کے تجلی کا محل اور بشر کی وجودی سوالات و روحانی ضروریات کے جواب میں ہدایت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ للذا، صحیح ادراک اور بنیادی ضروریات کا حقیقی جواب پانا، حجتِ الٰہی (قرآن و عترت) سے تمسک کے بغیر ناممکن ہے۔ الہٰذا علامہ طباطبائی آیت کریمہ: يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ۔۔۔الآیہ کو تمام ممکنات کے فقرِ ذاتی اور ہر لحہ خدا کے محتاج ہونے پر دال قرار دیتے ہیں۔ [28] علامہ کی فرمایشات اور دیگر مصادر پر استناد کرتے ہوئے، يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ..." کی عبارت اس بنیادی نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان کامل کا دعا کی قبولیّت اور سوالات کے جوابات دینے میں مرکزی کردار ہے۔

10.9۔انسان کامل: روزِ جزا کا شاہد اور مددگار

یہ آیات اس بنیادی نکتہ کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ انسانِ کامل، روز قیامت کے حساب وکتاب میں مددگار ہونے میں محوری حیثیت رکھتا ہے؛ جیسا کہ "أَيُّهَا الثَّقَلَانِ" کا خطاب، جن وانس کے لئے حساب وکتاب اور جزاوجزا کے مرحلہ کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ طباطبائی اس آیت میں سَنَفْرُغُ میں "فراغ" کے معنی قیامت میں دنیا کے ختم

ہونے کے بعد خدا کا مخلوق کے حساب میں پوری طرح مشغول ہونا قرار دیتے ہیں۔[29]

دراصل، شیعی۔عرفانی فکر میں اہل بیت (علیہم السلام) بطورِ انسانِ کامل، نہ صرف دنیا میں ہدایت کرنے والے ہیں بلکہ قیامت کے حساب کے عمل میں گواہ اور شریک بھی ہیں۔ بہت سی آیات و روایات روزِ جزا میں ان کی شفاعت و شہادت پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا، خدا کا "حساب میں مشغول ہونا" ان الٰہی اولیاء کی وساطت و شہادت سے محقق ہوتا ہے جو عدلِ الٰہی کے عینی ترین مظاہر ہیں۔ دنیا میں ان کی ولایت قبول کرنا، آخرت میں حساب کے انجام کو متاثر کرتا ہے۔ لہٰذا یہاں علامہ طباطبائی اس آیت کو قیامت کے سیاق و سباق اور مخالفین کو عاجز کرنے کے لیے قرار دیتے ہیں اور "سلطان" کے معنی خاص الٰہی قوت اور برہان کے بتاتے ہیں جس سے اس دن وہ محروم ہوں گے۔[30]

10.10۔ انسان کامل: سلطان

یہ آیات جس انتہائی قابل غور مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ جن و انس کے لئے **"سلطان"** کے بغیر اطراف زمین و آسمان سے باہر نکلنا ناممکن ہے۔ وہ خدا کی مقرر کردہ حدود سے باہر نہیں نکل سکتے۔ عرفان اسلامی میں یہ "سلطان" انسانِ کامل کے لیے خدا کی حجت ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ دراصل، اس آیت کی عرفانی تأویل میں "اقطار السموات و الارض" عالمِ طبیعت اور حتیٰ کہ عوالمِ غیب کی حدود اور حصار کی طرف اشارہ کر سکتا ہے۔ "نفوذ" سے مراد اس دائرے سے روحانی آزادی تک پہنچنا، ملکوت کی طرف عروج اور مقامِ قرب حاصل کرنا ہے۔ یہ "نفوذ" اور مراتب سے عبور، عرفاء کے نزدیک صرف اُس "سلطان" کے ساتھ ممکن ہے جو "حجت اللہ" اور انسانِ کاملِ زمان ہے۔ وہی اپنی ولایت اور ہدایت کے ذریعے اعلیٰ جہانوں میں نفوذ کی راہ اور جہالت و نفس کی حصار سے نجات کا راستہ کھولتا ہے۔ یہ تفسیر ان روایات کے ہم آہنگ ہے جو ائمہ (ع) کو "سلطان" اور "حجت" قرار دیتی ہیں۔

10.11۔ انسانِ کامل، مقامِ فنا و شہود پر

سورہ الرحمٰن کی اگلی آیات میں انسانِ کامل کے وجودی مراتب کی تجلی کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِO فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِO فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّO يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ (55:41-37) ترجمہ: "پھر جب آسمان پھٹ کر تیل کی طرح سرخ ہو جائے گا۔ تو پھر تم پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ پھر اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے کسی گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ مجرم افراد تو اپنی نشانی سے ہی پہچان لیے جائیں گے۔ پھر پیشانی اور پیروں سے پکڑ لیے جائیں گے۔"

ان آیات میں آسمان کا شق ہونا اور مجرموں کی پہچان کی قیامت کی نشانیوں کی تجلی حقیقتِ انسانِ کامل کے تناظر میں بیان ہوئی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے عرفانی زاویے سے انسانِ کامل نہ صرف اخلاقی نمونہ ہے بلکہ فیضِ خدا کا جاری کرنے والا، خدا کی طرف سے حساب لینے والا اور مدد کرنے والا ہوتا ہے، اور آسمان کے شق ہونے اور مجرموں کی پہچان میں الٰہی تجلیات کا مظہر ہے۔ عرفانی نقطہ نظر سے، یہ مناظر ان حقائق کے جلوے ہیں جو عالم کے پردوں کا چاک ہونا اور حقیقت کا ظہور، انسانِ کامل کے مقامِ فنا اور شہودِ حق تک پہنچنے کے مناظر ہو سکتے ہیں۔ سرخ رنگ (وَرْدَةً كَالدِّهَانِ) عرفان میں عشق اور جمالِ الٰہی کی تجلی کی علامت ہے۔ انسان کامل کے ذریعے مجرموں کی نشاندہی ہوتی ہے اور اس طرح وہ پکڑے جاتے ہیں۔ دراصل، "سیما" اور "نشان" سے افراد کی پہچان، باطن میں اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ اعمال اور باطنی شکلیں انسان کے لیے نورانی یا ظلمانی چہرہ اور صورت بناتے ہیں۔ انسانِ کامل اس حقیقت کا مکمل آئینہ ہے اور مقربین اس کی ملکوتی تصویر سے متاثر ہوتے ہیں۔

10.12۔ انسان کامل، قربِ الٰہی اور علمِ لدنّی کا مجسمہ

اگلی آیات میں انسانِ کامل، قربِ الٰہی اور علمِ لدنّی کے مجسمہ کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّO فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِO كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُO فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِO هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُO (55:56-70) ترجمہ: "ان جنتوں میں محدود نگاہ رکھنے والی حوریں ہوں گی جن کو انسان وجنات میں سے کسی نے پہلے چھویا بھی نہ ہوگا۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟ وہ حوریں اس طرح ہوں گی جیسے سرخ یعقوت اور مونگے۔ پھر تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟ کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔"

اللہ تعالی نے انسان کامل اور اس کے پیروکاروں کے لیے حتمی جزا جنتی نعمتیں، متعدد باغ، جاری چشمے اور حوریں قرار دی ہیں جو نفسانی ملکات اور پاکیزہ سرشت روحانی بیویوں کی شکل میں مقرر کر رکھی ہیں۔ ان آیات میں حور العین وغیرہ کی توصیف، ان روحانی کمالات اور معنوی موہبات کی علامات ہیں جو "مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ" کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ اس خوف اور تقویٰ کا اعلیٰ ترین مصداق انسانِ کامل ہے اور یہ نعمتیں اسی قرب اور علومِ لدنی کے مراتب کا مجسمہ ہیں جن سے وہ اور اس کے پیروکار حریم ولایت میں مستفید ہوتے ہیں۔

سورۂ الرحمٰن جو "رحمٰن" کے نام سے شروع ہوتی ہے، بالآخر اپنی رحمتِ خاصہ کو "انسانِ کامل" (بطورِ مظہرِ اسمِ رحمٰن) کے ذریعے ہدایت کی شکل میں اور اس کی پیروی یا مخالفت کے نتائج کے طور پر جلوہ گر کرتی ہے۔ نیکی کا بدلہ اس حقیقت کے جوار میں پہنچنا اور اس کے وجود سے استفادہ کرنا ہے جو کہ ابدی "نیکی" ہے۔ دراصل، آیت کریمہ: "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ الْإِحْسَانُ" بطورِ الٰہی قانونِ جزا، ایک کلی قاعدہ کا بیان ہے۔ یہ آیت ایک عمومی اور

الٰہی قانون بیان کرتی ہے جس کے مطابق نیکی کا بدلہ خود "نیکی" ہے؛ لیکن مساوی تبادلے کے معنی میں نہیں، بلکہ احسان کے لامحدود منبع کی طرف سے زیادہ اور برتر عطا کے معنی میں۔ یہ قاعدہ، معاشرتی رویے کے میدان (دوسروں کے احسان کا بدلہ زیادہ احسان سے) اور انسان کے خدا کے ساتھ تعلق کے میدان (اطاعت و بندگی کا بدلہ جنتی نعمتوں سے) دونوں میں جاری ہے۔ یہ آیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ الٰہی نظام بھولنے والا اور لاتفاوت نہیں، بلکہ عدل و احسان پر استوار ہے۔

اس آیت کے تفسیر میں عرفانی مصادر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ مفاہیم، ایک جامع نگاہ میں، اسی حقیقت "انسانِ کامل" کے تجلیات ہیں جس کی طرف پوری سورہ میں علامتی طور پر اشارہ کیا گیا ہے۔ احسان کرنے والوں کے لیے حتمی جزا جمال و جلالِ الٰہی کے جلووں کے حریم میں داخل ہونا ہے، جس کا کامل ترین مظہر وجودِ نبی مکرم اسلام (ص) اور عترتِ طاہرین (ع) ہے۔

10.13۔ اہلِ احسان کے لیے دو مزید باغ

قاعدۂ کلی کے بیان کے فوراً بعد، قرآن "احسان کرنے والوں" کے لیے خصوصی جزا کی توصیف کرتا ہے:

وَمِن دُونِهِمَا جَنَّتَانِO فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِO مُدْهَامَّتَانِO حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِOفَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِOلَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ(55:62-64) یعنی: "اور ان دو باغوں [جو پرہیزگاروں کے لیے ہیں] کے علاوہ دو باغ اور [بھی احسان کرنے والوں کے لیے] ہیں۔ پھر ان دو باغوں کی نعمتوں میں بے مثال سرسبزی اور وہ حوریں جو خیموں کے اندر چھپی بیٹھی ہوں گی۔ تو تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ انہیں اس سے پہلے کسی جن یا انسان نے ہاتھ تک نہ لگایا ہوگا۔"

یہ علامتی توصیفات قرب و لطفِ الٰہی کے ایک اعلیٰ درجے کو بیان کرتی ہے۔ "احسان کرنے والے" وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ صرف واجبات ادا کیے اور محرمات سے پرہیز کیا (مقامِ "متقین")، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر عبادت اور خلق کی خدمت میں "مرتبۂ احسان" کو پہنچ گئے؛ یعنی خدا کی ایسی بندگی کی گویا وہ اسے دیکھ رہے ہوں۔ اس مقام کا بدلہ و نتیجہ اس کی تعبیریں ہیں جن کی توصیف دنیوی بہترین تصویروں (باغ، چشمہ، پاکیزہ ہمسر) کے ذریعے کی گئی ہے، لیکن حقیقت ان صورتوں سے ماوراء ہے؛ حقیقتِ قربِ خاص الٰہی اور اسمائے حسنیٰ کے تجلیات تک پہنچنا۔

10.14۔ انسان کامل، جلال و اکرام الٰہی کی تجلی

سورۂ رحمٰن جو "الرحمٰن" کے نام سے شروع ہوئی، ایک شاندار جملے پر ختم ہوتی ہے جو اس سورۃ کی توصیفات کا نقطۂ عروج ہے: "تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" (55:78) یعنی: "بڑی برکت والا ہے تیرے رب کا نام جو صاحبِ جلال [ہیبت و عظمت] اور اکرام [بخشش و بزرگواری] ہے۔" یہ آیت ان تمام چیزوں کا حتمی خلاصہ ہے

جن کا بیان اس سورہ میں گزرا: آسمانوں اور زمین کا نظام، بیشمار نعمتیں، قیامت کی تنبیہات، جنت و جہنم کی توصیف، یہ سب کچھ اس اسم "ربّ" کے مظاہر اور تجلیات ہیں جو "ذوالجلال" (تجاوز کرنے والوں کے لیے ہیبت اور سزا کا مالک) اور "ذوالاکرام" (فرمانبرداروں کے لیے بخشش اور نعمت کا مالک) ہے۔

عرفانی نگاہ میں "ذوالجلال والاکرام" کا مبارک اسم، محض ایک لفظ نہیں، بلکہ ایک حقیقت ہے جو عالم میں متجلی ہوتی ہے۔ اس جامع اسم کا کامل ترین اور مبارک ترین مظہر وجودِ مقدس پیغمبرِ خاتم ﷺ ہے جسے اللہ نے "رحمۃ للعالمین" قرار دیا ہے۔ سورۃ میں جملہ صفاتِ جمال (اکرام) وجلال (ہیبت) جن کی توصیف کی گئی، اس ذاتِ گرامی اور ان کے اہلِ بیتِ معصومینؑ (میں اجتماعی طور پر متجلی ہیں۔ لہٰذا، سورہ کا اختتام، حقیقت میں اُس منبع اور مصدر کی طرف اشارہ ہے جہاں سے پہلے والی تمام نعمتیں اور تنبیہات صادر ہوئی ہیں، اور وہ ہے حقیقتِ محمدیہ ﷺ اور ولایتِ اہل بیت اطہار علیہم السلام کہ جن کے پیروکار اس راستے کی پیروی کرتے ہوئے اس برکت کے وارث اور اس اکرام کے مشمول ہوتے ہیں۔

11۔ نتائج تحقیق

اس تحقیق کے نتیجے میں درج ذیل نتائج ثابت ہوتے ہیں۔

1. سورۂ الرحمٰن انسانِ کامل کو جمالِ حق تعالیٰ اور اس کی رحمتِ رحمانیہ کے عالی ترین مظہر کے طور پر متعارف کراتی ہے۔
2. انسان کامل عالمِ تکوین میں ربوبیت کا مظہر، مراتبِ معرفت کا طی کرنے والا، نجات دہندہ اور ذریعہ نجات، سوالات کا جواب دینے والا، راہنما، مددگار، سلطان۔
3. رحمتِ خاص الٰہی کی تجلی، آسمان کا شق ہونا اور سرخ رنگ کا ظہور (عشق و شفقت کی علامت)، اس کے ظہور سے ثابت ہوتا ہے۔
4. انسان کامل مقصد تخلیق کائنات اور ابدی نعمتوں کا حاصل کرنے والا۔
5. انسان کامل اور اس کے پیروکاروں کے لیے حتمی جزا متعدد باغ، جاری چشمے، اور حوریں ہیں جو نفسانی ملکات اور پاکیزہ سرشت روحانی ہمسروں کی علامت ہیں۔
6. سورۂ الرحمٰن، رحمتِ واسعۂ الٰہی کی توصیف میں ایک سرود ہے۔
7. اس سورہ میں سورج، چاند، ستارے، میزان، رب المشرقین والمغربین جیسے مفاہیم، انسانِ کامل کے اسم "الرحمٰن" کے مظہر ہونے کی حیثیت سے مختلف تجلیات کی علامات ہیں۔

8. اس سورہ میں بیان شدہ جنتی نعمتیں نہ صرف ایک اخروی جزا ہیں بلکہ ان روحانی کمالات اور وجود کی عملی علامات ہیں جو انسانِ کامل (بطور مظہرِ اسماءِ ذوالجلال والاکرام) کے گرد دنیا اور آخرت میں وجود پذیر ہوتی ہیں۔

*****

References

1. Elahi Rad, *Insān shināsī* [Anthropology], Part 3, (Tehran, Intishārāt-i Muʾassasah-yi Āmūzishī wa Pizhūhishī-yi Imām Khomeinī,1402AH/2023-24), 24.

الٰہی راد، انسان شناسی، حصہ سوم، (تہران، انتشارات مؤسسہ آموزشی وپژوھشی امام خمینی رح، 1402)، 24۔

2. Ibid, 29.

ایضاً، 29۔

3. Muḥsin, Kāshānī, *Tafsīr al-ṣāfī fī tafsīr al-Qurʾān* (Tehran, Dār al-Kutub al-Islāmīyah, 1419); Mullā Ṣadrā, Ṣadr al-Dīn. *Sharḥ uṣūl al-kāfī* (Qom, Muʾassasah-yi Muṭāliʿāt wa Taḥqīqāt-i Farhangī, 1363 SH).

محسن، کاشانی، تفسیر الصافی فی تفسیر القرآن، (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، 1419)؛ ملاصدرا، صدرالدین، شرح اصول الکافی، (قم، مؤسسہ مطالعات وتحقیقات فرہنگی، 1363)۔

4. Ibn ʿArabī, *Al-Futūḥāt al-Makkīyah* Vol. 3, (Beirut: Dār Ṣādir, 1417 AH), 129; ʿAzīz al-Dīn, Nasafī, *Al-Insān al-kāmil* (Tehran, Intishārāt-i Ṭahūrī, 1967), 357.

ابن عربی، الفتوحات المکیۃ، 3، (بیروت، دار صادر، ج۳، 1417ھ)، 129؛ عزیزالدین، نسفی، الانسان الکامل، (تہران، انتشارات طہوری، 1963م)، 357۔

5. Muṭahharī, *Khalīfat Allāh insān-i kāmil*, (Qom: Dār al-Ṣafwah, 1430 AH), 4-5.

مطہری، خلیفۃ اللہ انسان کامل (قم، دارالصفوۃ، 1430ھ)، 4-5۔

6. Māyl Harawī, *Insān-i kāmil*, (Qom: Dāʾirat al-Maʿārif al-Buzurg-i Islāmī, 1399 SH), 373.

مایل ہروی، انسانِ کامل، (قم، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، 1399ش)، 373۔

7. Syed Rūḥullāh, Khomeinī, *Miṣbāḥ al-hidāyah ilā al-khilāfah wa al-wilāyah*, (Beirut, Lebanon, Muʾassasat al-Aʿlamī lil-Maṭbūʿāt, nd.), 25-58, 79, 97.

سید روح اللہ، خمینی، مصباح الہدایہ الی الخلافۃ والولایۃ، (بیروت، لبنان، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، سن ندارد)، ص25-58، 79، 97۔

8. Murtaḍā, Muṭahharī, *Khalīfat Allāh insān-i kāmil,* 20-22.

مرتضی، مطہری، خلیفہ اللہ انسان کامل، 20-22۔

9. Muṭahharī, *Khalīfat Allāh insān-i kāmil*, 11.

مرتضی، مطہری، خلیفہ اللہ انسان کامل، 11۔

10. Ḥassan Ḥassan, Āmulī, *Insān-i kāmil dar Nahj al-balāghah*, (Qom, Muʾassasah-yi Maʿārif al-Islāmīyah, 1416 AH), 181-187.

حسن حسن، آملی، انسانِ کامل در نہج البلاغہ، (قم، مؤسسۃ معارف الاسلامیہ، 1416)، 181-187۔

11. Syed Ḥussain, Burūjirdī, *Tafsīr al-ṣirāṭ al-mustaqīm* [Exegesis of the Straight Path]. Vol. 3, (Qom: Muʾassasat Anṣāriyān, 1416 AH), 118.

سید حسین، بروجردی، تفسیر الصراط مستقیم، جزء: سوم، (قم، مؤسسۃ انصاریان، 1416ھ)، 118۔

12. Muḥammad Bāqir, Majlisī, *Biḥār al-anwār* Vol. 72, 395.

محمد باقر، مجلسی، بحار الانوار، جلد: 72، 395۔

13. Ibid.

ایضاً۔

14. ʿAbdullāh, Anṣārī, *Manāzil al-sāʾirīn [The Stations of the Wayfarers]*. (Qom, Muʾassasah-yi Dār al-ʿIlm, (1417 AH), 1-143.

عبداللہ، انصاری، منازل السّائرین، (قم، مؤسسۃ دار العلم، 1417)، 1-143۔

15. Syed Muḥammad Ḥussain, Ṭabāṭabāʾī, *Al-Mīzān fī tafsīr al-Qurʾān*, Vol. 19, (Dar al-Kutab al-Islamia, 1377 AH), 93.

سید محمد حسین، طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج19، (دار الکتب الاسلامیہ، 1377ق)، 93۔

16. Ṭabāṭabāʾī, *Al-Mīzān fī tafsīr al-Qurʾān,* Vol. 19, 96.

طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج19؛ 96۔

17. Ibid, 161.

ایضاً، 161۔

18. Syed Hāshim, Bahrānī, *Al-Burhān fī tafsīr al-Qurʾān*, Vol. 5, (Beirut, Lebanon: Muʾassasat al-Aʿlamī lil-Maṭbūʿāt, 1427 AH), 813.

سید ہاشم، بحرانی، البرہان فی تفسیر القرآن، ج4، (بیروت، لبنان، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 1427ق)، 813۔

19. Ṭabāṭabāʾī, *Al-Mīzān fī tafsīr al-Qurʾān,* 98.

طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، 98۔

20. Ṭabāṭabāʾī, *Al-Mīzān fī tafsīr al-Qurʾān*, 163.

طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، 163۔

21. Ṭabāṭabāʾī, *Al-Mīzān fī tafsīr al-Qurʾān*, 99-100.

طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، 99-100۔

22 . Bahrānī, *Al-Burhān fī tafsīr al-Qurʾān*, Vol. 5, 233.

بحرانی، البرہان فی تفسیر القرآن، ج5، 233

23. Ṭabāṭabāʾī, *Al-Mīzān fī tafsīr al-Qurʾān*, 100.

طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، 100۔

24. Al-Muttaqī al-Hindī, ʿAlī. *Kanz al-ʿUmmāl fī Sunan al-Aqwāl wa al-Afʿāl.* Jild 12, Hadīth # 34151, (Beirut: Muʾassasat al-Risālah, 1405 AH), 94; Ṭabāṭabāʾī, Sayyid Muḥammad Ḥusayn. *Al-Mīzān fī Tafsīr al-Qurʾān*, Vol. 19, 169.

متقی الہندی، علی، کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال، جلد:12، حدیث نمبر 34151، (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ح 34151، 1405ق)، 94؛ طباطبائی، سید محمد حسین، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج19، 169۔

25. Ṭabāṭabāʾī, *Al-Mīzān fī tafsīr al-Qurʾān*, 169.

طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، 169۔

26. Bahrānī, *Al-Burhān fī tafsīr al-Qurʾān*, Vol. 5, 36.

بحرانی، *البرہان فی تفسیر القرآن*، ج5، 36۔

27. Ibid, 236.

ایضاً، 236۔

28. Ṭabāṭabāʾī, *Al-Mīzān fī tafsīr al-Qurʾān*, 102.

طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، 102۔

29. Ibid, 106.

ایضاً، 106۔

30. Ibid.

ایضاً۔